Fikr-o-Nasar vol.1: 9 (1964)

افکار

(۱)

محترم ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اپنے مقالہ "تحقیق ربوا" میں ربوا (سود) کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ "ادائیگی قرض کی مقررہ مدت میں تاخیر کے عوض میں راس المال پر اتنا اضافہ جس سے وہ اضعافاً مضاعفہ ہو جائے ربوا ہے" اور اضعافاً مضاعفہ ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ "سو کے اگلے سال دوسو اور اس سے اگلے سال چارسو اور پھر سولہ سو"

سو کے اگلے سال دوسو جس کا مطلب واضح ہے کہ شرح سود ۱۰۰ فیصدی ہے۔ اس سے اگلے سال دوسو سود کل چارسو ہوا۔ اس سے اگلے سال از روئے حساب چارسو اصل اور اس پر چارسو روپے سود یعنی کل آٹھ سو روپے ہونا چاہیئے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب سولہ سو فرماتے ہیں۔ کیا حساب کی روشنی میں آپ کی یہ تعریف غلط اور مبالغہ آمیز نہیں ہے؟[1]

---

[1] آپ کا یہ اعتراض ہماری ربوا کی تعریف پر نہیں، بلکہ اس کی جو مثال دی گئی تھی اس کے صرف ایک لفظ "سولہ" پر وارد ہوتا ہے۔ اگر تضعیف کا عمل ہندسی (GEOMETRICAL) نسبت سے ہو تو "سولہ سو" ہی بنتے ہیں۔ لیکن اگر حسابی (ARITHMETICAL) نسبت سے ہو تو "آٹھ سو" ہوں گے، جیساکہ آپ نے فرمایا ہے۔ ہم "سولہ سو" کی جگہ یہاں "آٹھ سو" ہی مان لیتے ہیں۔

۲۔ کیا ڈاکٹر صاحب کی پیش کردہ ربوا (سود) کی تعریف سے کوئی کم شرح والا سود ربوا کے زمرہ میں شمار کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ ہم امر واقع کے طور پر دیکھتے ہیں کہ کئی لوگ جنہوں نے پیسہ روپیہ ماہوار پر قرض لیا جو کہ ڈاکٹر صاحب کے ربوا (سود) کی شرح سے بہت کم ہے وہ سود کے پھندے میں ایسے پھنسے کہ تباہ ہو گئے اور پونجی بھی گنوا بیٹھے۔ اگر ایسا سود بھی ربوا نہیں تو کیا حرمت ربوا بے معنی اور بے مقصد نہیں ہو جاتی ؟[۲]

۳۔ اگر ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ بالا تعریف سے کسی بھی کم شرح کا سود ربوا شمار ہو سکتا ہے تو بینکنگ کا سود کیوں ربوا شمار نہیں ہو سکتا۔ یہ سود بھی تو علامہ رشید رضا رح کے قول کے مطابق ایک طرف سرمایہ دار اور دوسری طرف مزدور پیدا کر کے امراء اور غرباء کے مابین نفرت و عداوت کی خلیج حائل کر رہا ہے۔ اور دلوں سے نیکی دور کر رہا ہے چنانچہ علامہ اقبال رح نے فرمایا :۔

این بنوک این فکر چالاک یہود نور حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد این نظام دانش و تہذیب و دیں سودائے خام[۳]

۴۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں "قرآن کے نزدیک ربوا کی ضد صدقہ ہے ربوا اور صدقہ ایک تنی ہوئی رسی کے دو سرے ہیں تو بیع ان کے درمیان کہیں معلق ہے"۔

گزارش ہے کیا فزکس کے مطابق دو متخالف سمتوں کی طاقتوں سے رسی کے ٹوٹنے کا مقام ان طاقتوں کا حدِ فاصل متصور نہ ہوگا۔ یعنی کیا ربوا اور صدقہ کے درمیان وہی مقام حدِ فاصل نہیں جہاں ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے اور اس مقام سے انچ بھر بھی ادھر جائیں تو ربوا (سود) اور انچ بھر بھی اُدھر سرکیں تو صدقہ نہ ہوگا۔ اور کیا عین یہی مقام خالص بیع کا نہیں جس میں نہ صدقہ کی رعایت ہے نہ ربوا کا ظلم ؟[۴]

۵۔ اگر ڈاکٹر صاحب یہ فرمائیں کہ رسی کا ایک سرا ہی ربوا (سود) اور دوسرا سرا ہی صدقہ ہے تو کیا اس کا یہ

---

[۲] یوں تو پونجی گنوا بیٹھنے کے بہت سے ذرائع ہیں۔ لیکن محض اس سبب سے ان سب کو "ربوا" ہرگز نہیں کہا جائیگا۔

[۳] بنکاری کو سرمایہ دار اور مزدور کے طبقات پیدا کرنے اور امرا اور غربا کے مابین نفرت و عداوت کی خلیج حائل کرنے کا سبب قرار دینا درست نہیں۔ بالفرض اگر ایسا ہی ہے، تو اشتراکی ملکوں میں بنکوں کے وجود کے بارے میں چودھری صاحب کیا فرمائیں گے۔ ؟

[۴] "تنی ہوئی رسی" ایک استعارہ ہے، جسے فزکس کے اصولوں پر جانچنا کچھ ضرورت سے زیادہ سائنٹفک طرز فکر ہے۔

مطلب نہ ہوگا کہ دنیا میں نہ کوئی ربٰوا ہے اور نہ کوئی صدقہ۔ کیونکہ رسی کو تو ہم بے حد دراز کر سکتے ہیں یعنی ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ربٰوا تو وہ ہوتا ہے جو اصل سے لاکھ گنا بڑھ جائے اور صدقہ وہ ہوتا ہے جس میں پہاڑ کے وزن کا سونا دیا جائے۔ کیا اس سے ربٰوا اور صدقہ کی اصطلاحات بے معنی، بے مقصد اور کالعدم نہیں ہو جاتیں؟ ؎۵

۶- کیا اگر کوئی ایک پیسہ صدقہ دے تو وہ صدقہ نہیں اور اگر وہ صدقہ ہے اور یقیناً مسلّمہ طور پر صدقہ ہے تو ربٰوا کا ایک پیسہ کیوں ربٰوا نہیں؟ ؎۶

۷- ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم کی جس آیت پر اپنے مقالہ کی بنیاد رکھی ہے وہ ان کے اپنے قول کے مطابق یہ ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ	(وہ خود اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:) اے ایمان والو یہ دو چند سہ چند ہونے والا ربٰوا (سود) کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو امید ہے فلاح پاؤ گے۔
(آل عمران ۳: ۱۳۰)	

یہ آیت اور اس کا ترجمہ تشریح طلب نہیں بلکہ اپنا مطلب خود بیان کرتے ہیں لہٰذا میں کسی لفظ کے اضافہ بغیر سوال عرض کرتا ہوں:-

کیا یہ حقیقت نہیں کہ شرح سود خواہ کتنی ہی کم ہو پھر بھی سود اپنے اصل سے دو چند سہ چند ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بڑھتا ہی رہتا ہے؟ یہ بات الگ ہے کہ اگر شرح سود زیادہ ہوگی تو وہ جلد دو چند سہ چند ہو جائیگا اور اگر شرح سود کم ہوگی تو ذرا دیر لگ جائے گی۔ لیکن اس کی دو چند سہ چند ہونے والی صفت میں تو کوئی امر مانع ہو ہی نہیں سکتا۔ ؎۷

؎۵ ہم "رسی کے ایک سرے ہی" کو ربٰوا اور "دوسرے سرے ہی" کو صدقہ بتانے کی غیر سائنٹفک غلطی ہرگز نہیں کرینگے۔ اس لئے یہ سائنٹفک سوال ہم پر وارد نہیں ہوتا۔

؎۶ یقیناً ربٰوا ہے، بشرطیکہ اس پر ربٰوا کی قرآنی تعریف صادق آتی ہو۔

؎۷ شرح منافع میں جس قدر دو چند سہ چند ہونے کی صفت موجود ہوگی، اُسی قدر زیادہ وہ ربٰوا کی قرآنی تعریف کے قریب ہوگی۔ اس بارے میں صائب رائے ریاضی کی ضرب تقسیم کے ذریعہ نہیں، بلکہ عقلِ سلیم (COMMON SENSE) کے افہام و تفہیم کے ذریعہ، قائم کی جا سکتی ہے۔

۸۔ کیا قرآن حکیم جس کا دعویٰ ہے کہ اس نے نیکی اور بدی کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ وہ خود ربوا (سود) جیسے اہم معاملہ کی نشان دہی اور حد بندی کرنے سے قاصر ہے اور اس کو لوگوں کے قیاسات پر چھوڑ تا ہے؟ ۵۸

اگر قرآن حکیم ربوا (سود) جس کی وہ شدید ترین مذمت کرتا ہے کی نشان دہی اور حد بندی کرنے سے قاصر ہے تو اس کا بلند بانگ دعویٰ کیا ہوا؟

۹۔ کیا یہ قرآن حکیم کی آیت نہیں کہ (ترجمہ) "اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور جو کچھ ربوا (سود) سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کرلو تو تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں"۔ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۔ تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں کیا اس آیت کا واضح طور پر یہ مطلب نہیں کہ تم صرف اپنے اصل مال کے حقدار ہو۔ اصل مال سے اگر ایک پیسہ بھی زائد لوگے تو وہ ربوا ہے کیا یہ ربوا (سود) کی واضح طور پر نشاندہی اور حد بندی نہیں کہ "اصل مال سے اوپر جو کچھ بھی ہے وہ ربوا ہے خواہ وہ ایک پیسہ ہے یا دو پیسہ؟"

کیا وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا میں ربوا (سود) کی مزید تشریح اور وضاحت نہیں کردی گئی کہ جو کچھ بھی باقی ہے خواہ پیسہ ہے یا روپیہ اسے چھوڑ دو وہ ربوا (سود) ہے؟ ۵۹

۱۰۔ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۔ تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں۔ کیا اموال (یعنی ہر قسم کا

---

۵۸ یہی سوال ہمارا ہے لیکن ہر جگہ اس سوال سے کام نہیں چلے گا۔ قرآنی احکام کا اپنا تاریخی پس منظر ہے جسے جاننا ان احکام کو سمجھنے کے لئے لازمی ہے۔ ۵۹ و ۶۰ زمانۂ جاہلیت میں ربوا کا ایک خاص نظام تھا جس کی نشاندہی ہم تفصیل کے ساتھ اپنے مضمون میں کر چکے ہیں۔ یہاں اُسی نظام کے تحت لئے ہوئے ربوا کا ذکر ہے کہ "جو کچھ بھی باقی ہے، خواہ پیسہ یا روپیہ، اسے چھوڑ دو، وہ ربوا ہے"۔ اُسی مخصوص جاہلی لین دین کے لئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ "تم صرف اپنے اصل مال کے حقدار ہو"۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ "اصل مال سے اوپر جو کچھ بھی ہے، وہ ربوا ہے، خواہ وہ ایک پیسہ ہے یا دو پیسہ"۔ قرآن اور عقل دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن کے خلاف اسلئے ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت جو جاہلی ربوا رائج تھا، قرآن نے اُسکی مخالفت کی ہے، نہ کہ "اصل مال سے اوپر جو کچھ ہے" اُس کی۔ عقل کے خلاف اس لئے کہ اگر یہ نتیجہ درست تسلیم کرلیا جائے تو پھیری میں دو پیسہ کمانے والے غریب کی روزی بھی ماری جاتی ہے کیونکہ وہ بھی "اصل مال سے اوپر جو کچھ ہے" کی زد میں آجاتی ہے۔ مزید دیکھئے صہ ۶۰، ۶۱، ۶۲ کے حواشی

مال) کا لفظ صاف یہ نہیں بتلاتا کہ ہر قسم کے مال میں ربٰوا (سود) ہو سکتا ہے۔ اور کسی قسم کے مال پر بھی تم زیادہ ستانی نہیں کر سکتے۔ وہ ربٰوا (سود) ہے جو قلیل بھی ہو سکتا ہے اور کثیر بھی ؟ ؎۱۰

۱۱۔ کیا بنکوں کا ربٰوا جس کا نام اب ڈاکٹر صاحب نے منافع رکھ لیا ہے یہ اپنے اصل مال سے اوپر نہیں اور کیا یہ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ کی خلاف ورزی نہیں ؟ کیا یہ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا کی گرفت سے باہر ہے ؟ اور کیا یہ دوچند سہ چند نہیں ہو رہا ؟ ؎۱۱

۱۲۔ کیا مندرجہ بالا آیات اپنا مطلب آپ بیان نہیں کرتیں ؟ کیا ان میں کوئی ابہام، کوئی تشریح طلب امر یا کوئی تشنگی ہے کیا فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ اور وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا (تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں ربٰوا سے جو کچھ بھی باقی ہے اسے چھوڑ دو) کی روشنی میں صاف دکھائی نہیں دیتا کہ ربٰوا (سود) وہ ہوتا ہے جو اپنے مال یا اپنے مال کی مالیت سے زائد مال لیا جائے ؟ نقدی (روپیہ) تو محض تبادلۂ اشیا میں سہولت پیدا کرنے کے لئے حکومت کا جاری کردہ سکہ ہے اس کی تو کوئی خاص ذاتی حیثیت ہی نہیں۔ اصل چیز تو اموال ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے فرمایا ہے۔ جس میں مروجہ سکہ بھی ضمناً شامل ہے۔ ؎۱۲

۱۳۔ مندرجہ بالا بحث کو پڑھ کر آپ لازماً سوال کریں گے کہ کیا بٹائی کرائے منافع بھی ربٰوا ہیں۔ میرا جواب قرآن حکیم کے الفاظ میں یہ ہے :۔

فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ (تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں)

اگر آدمی کسی کو زمین دیتا ہے تو وہ اپنی زمین واپس لے سکتا ہے۔ ہاں بوجہ فصل لینے کے اگر زمین کی طاقت

؎۱۱ بنکوں کے منافع کو عرب ممالک میں بھی "ربٰوا" نہیں، بلکہ "فائدہ" کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت بنک نہیں تھے۔ ان کے طریقۂ کاروبار کے بارے میں قرآن سے استنباط کرنے کے لئے مطالعہ، تحقیق، غور و فکر اور بحث و نظر کی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر محض لفظوں سے دھوکا کھانا درست نہیں۔ بقیہ سوالات کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ماسبق (۹ تا ۱۰)

؎۱۲ اس طرح تو ہر قسم کے بیوپار کی راہ مسدود ہو جاتی ہے اور یہ نہ قرآن و سنت کی رو سے روا ہے۔ نہ عقل اس کی اجازت دے گی۔

کمزور ہوگئی ہے تو اس میں کھاد ڈلوا سکتا ہے یا اس میں استعمال سے گڑھے پڑ گئے ہیں یا وٹ بندی کو نقصان پہنچا ہے تو اس کا معاوضہ لے سکتا ہے یا اسے ٹھیک کروا سکتا ہے۔ بلا محنت و مشقت مفت بٹائی خوری کس کا معاوضہ ہے کیا یہ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ کی حد سے تجاوز کرنا نہیں اور کیا دنیا میں یہی چیز بنیادی طور پر باعث فساد نہیں ؟ کیا یہی چیز مالک و مزارع کے دو طبقات پیدا کر کے ان کے درمیان بغض وحسد عداوت، لالچ اور مقابلہ کی آگ کو نہیں بھڑکا رہی ؟ ربوا کی بنیاد ہی بٹائی ہے ربوا پیدا ہی یہاں سے ہوتا ہے بنکوں میں تو ربوا (سود) کی محض خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اگر بٹائی ربوا نہیں تو دنیا میں کوئی بھی ربوا نہیں۔

لگے ہاتھ مولانا مودودی صاحب کی ربوا کی تعریف ملاحظہ فرمائیے اور اس کو بٹائی پر منطبق کر کے دیکھئے۔ صاحب موصوف اپنی کتاب "سود" حصہ اول صفحہ ۳۲ پر ربوا (سود) کی یوں تعریف کرتے ہیں:۔

"ربوا یہ ہے کہ ایک شخص اپنا راس المال ایک دوسرے شخص کو دیتا ہے اور یہ شرط کر لیتا ہے کہ میں اتنی مدت میں اتنی رقم تجھ سے راس المال پر زائد لوں گا۔ اس معاملہ میں راس المال کے مقابل راس المال ہے اور مہلت کے مقابلہ میں وہ زائد رقم ہے جس کی تعیین پہلے سے بطور ایک شرط معاملہ طے کر لی جاتی ہے اسی زائد رقم کا نام سود یا ربوا ہے جو کسی خاص مال یا شے کا معاوضہ نہیں بلکہ محض مہلت کا معاوضہ ہوتا ہے"۔

اب اس تعریف کو بٹائی پر منطبق کر کے دیکھئے:۔

<u>ربوا یہ</u> ہے کہ ایک شخص اپنا <u>راس المال</u> ایک دوسرے شخص کو دیتا ہے اور یہ شرط کر لیتا ہے کہ

بٹائی — اپنی زمین

میں اتنی مدت میں <u>اتنی رقم</u> تجھ سے <u>راس المال</u> پر زائد لوں گا۔ اس معاملہ میں <u>راس المال</u> کے مقابل

اتنی پیداوار — زمین — زمین

<u>راس المال</u> ہے اور مہلت کے مقابلہ میں وہ <u>زائد رقم</u> ہے جس کی تعیین پہلے بطور ایک شرط معاملہ کے

زمین — پیداوار

کر لی جاتی ہے۔ اسی <u>زائد رقم</u> کا نام <u>سود یا ربوا</u> ہے جو کسی خاص مال یا شے کا معاوضہ نہیں بلکہ محض مہلت کا

پیداوار — بٹائی

معاوضہ ہوتا ہے۔

مولانا مودودی صاحب کی پیش کردہ مندرجہ بالا سود کی تعریف کو دیکھئے اور اس پر بٹائی کے انطباق کو ملاحظہ کیجئے پھر سود اور بٹائی کی کیفیت ماہیت اور خواص پر غور فرمایئے اور خود ہی فیصلہ کیجئے کہ آیا ان میں کوئی فرق ہے۔ علیٰ ہٰذا کرایہ کو پرکھ لیجئے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ [۱۳]

۱۴۔ رہا منافع۔ کیا منافع اپنے اصل مال سے زائد لینا نہیں ؟

آخر منافع کی حقیقت اس کے سوا اور کیا ہے کہ لین دین کے دوران دوسروں کی کمائی ہوئی دولت بلا محنت مشقت حاصل کر لی جائے ؟ اگر منافع خوری اسلامی تعلیم ہے تو انفاق فی سبیل اللہ، دوسروں کی مدد امداد، ان سے تعاون، ہمدردی اور نیکی کی تعلیم کیا ہوئی ؟ کیا منافع کے جواز سے وہ ساری تعلیم بے معنی بے مقصد اور کالعدم ہو کر نہیں رہ جاتی ؟ یہ کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک طرف انفاق فی سبیل اللہ اور نیکی کا حکم دے، اور دوسری طرف منافع خوری کی اجازت بخشے ؟ کیا دوسروں کی مدد، امداد تعاون اور صدقات و زکوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ پہلے لین دین اور خرید و فروخت کے دوران دوسروں کی کمائی ہوئی دولت کو منافع کے نام سے ہتھیا لیا جائے اور پھر اس میں سے کچھ احسان کے طور پر بخشش کر دی جائے ؟ [۱۴]

---

[۱۳] بٹائی کو فقہ کی اصطلاح میں "مخابرہ" کہتے ہیں۔ ہم اپنے مضمون میں اس کی مذمت بہت واضح لفظوں میں کر چکے ہیں۔ اسی طرح مولانا مودودی کی تعریفِ ربا سے ہم متفق نہیں اور اس سے اختلاف کرنے کی وجہ ہم اپنے مضمون میں بالتفصیل پیش کر چکے ہیں۔

[۱۴] نفع اندوزی یا منافع خوری جسے انگریزی میں PROFITEERING کہتے ہیں، یقیناً قرآن حکیم کی تعلیم صادقہ کی روح کے منافی ہے اور ہم نے اپنے مضمون میں اسے اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ سوال بلکہ باقی تمام سوالات ہمارے مضمون پر وارد نہیں ہوتے، کیونکہ ہم نے اپنے مضمون میں بارہا قرآن حکیم کی باہمی امداد و تعاون کی تعلیم پر زور دیا ہے۔ البتہ ہم اس معاملہ میں قرآنی طریقۂ امہال و تیسیر کے قائل ہیں۔ قرآنی اصولِ امہال کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم مہلت دیتا ہے اور اپنے احکام بتدریج نازل کرتا ہے۔ اصولِ تیسیر سے مراد یہ ہے کہ خدا اپنے بندوں کیلئے آسانی (یُسر) چاہتا ہے۔ وہ کسی ایسے حکم کے نفاذ کا طالب نہیں جس سے اس کی مخلوق کے معاش میں حرج واقع ہوتا ہو۔ اس کے برخلاف محترم چودھری صاحب کے سوالات میں انقلابی شدت اور اشتراکی انتہا پسندی ہے۔ بایں ہمہ ان کے خیالات سنجیدہ غور و خوض کے مستحق ہیں اور انکی مخلصانہ سعی کرنے کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

۱۵۔ یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ جناب رسولِ اکرمؐ اور ان کے صحابہ کرام رضؓ منافع خوری کیا کرتے تھے ؟ کیا یہ ان مقدس ہستیوں پر بہتان نہیں جنہوں نے اپنا مال و متاع اللہ کے راستے میں دے دیا اور کیا یہ اپنی منافع خوری کے جواز کے لئے محض ایک بہانہ نہیں ؟

کیا یہ منافع خوری ہی نہیں جو دلوں میں نفرت، بغض و حسد اور مقابلہ کی خلیج حائل کر کے نیکی، ہمدردی اور تعاون کے جذبہ کو ملیا میٹ کر رہی ہے ؟ کیا منافع میں جتنی دولت ایک آدمی کے پاس آتی ہے اتنی ہی دولت کی دوسرے مسلمان بھائیوں کے ہاتھ میں کمی واقع نہیں ہو جاتی ؟ کیا منافع محض لین دین کے دوران ایک بھائی کی دولت کا دوسرے بھائی کے ہاتھ میں چلے جانے کا نام نہیں ؟

۱۶۔ کیا جہاں منافع خوری کا سوال ہوتا ہے وہیں فساد اور بغض و عداوت عدم تعاون، مقابلہ اور دیگر مختلف قسم کی برائیاں پیدا نہیں ہو جاتیں ایسی گندی اور بنائے فساد تعلیم کو قرآن حکیم کی طرف منسوب کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ؟ یہ کہنا کہ اَحَلَّ اللّٰہُ البیع میں منافع خوری جائز ہے، کہاں کا انصاف ہے ؟ اس آیت میں منافع کا لفظ کہاں ہے ؟ کیا بیع کے معنی منافع ہے ؟ اگر نہیں تو منافع کا لفظ اپنی طرف سے کیوں لگایا جاتا ہے ؟ کیا یہ قرآن کی تعلیم کو مسخ کرنا نہیں ؟ کیا قرآن حکیم نے غیر مشروط طور پر بیع کو حلال کیا ہے ؟ کیا نیلامی اور دلالی والی بیع، لاٹری اور سٹے والی بیع احتکار، اکتناز اور محاقلہ، مزابنہ، والی بیع، بلیک مارکیٹ اور سمگلنگ والی بیع، منڈی میں محض اشیاء کی رسد اور طلب کے عدم توازن سے ان کی قیمتوں میں گرانی اور ارزانی پیدا کرنے والی بیع، ادھار قسطوں والی، کمیشن اور ڈسکاؤنٹ والی بیع، منافع خوری اور سود والی بیع تجارتی رازوں اور ہتھکنڈوں، دکھلاوے، دھوکے، فریب اور اشتہار بازی والی بیع، یعنی یہ تمام بیوع جس پر مروجہ تجارت کا دارومدار انحصار ہے، یہ سب غیر مشروط طور پر حلال ہیں اور ان کے ذریعے منافع خوری جائز ہے۔ تو کیا اس سے ربوٰا کی حرمت بے معنی، بے مقصد اور کالعدم نہیں ہو جاتی اور قرآن حکیم کی اعلیٰ اور ارفع تعلیم پر پانی نہیں پھر جاتا ؟ اگر یہ سب بیوع ناجائز ہیں تو منافع کیا ہوا ؟

اگر منافع جائز ہوتا تو کیا اَحَلَّ اللّٰہُ البَیعَ کی بجائے اَحَلَّ اللّٰہُ المنافِعَ فِی البیعِ نہ ہونی چاہئے تھی اور حَرَّمَ الرِّبٰوا بالکل حذف نہ ہونا چاہئے تھا ؟ اگر منافع کرایہ اور بٹائی خوریاں جائز ہوتیں تو ربوٰا (سود) کی حرمت کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

۱۷۔ کیا قرآن حکیم نے ان لوگوں کے جواب میں جو بیع اور ربوٰا کو یکساں سمجھتے تھے اَحَلَّ اللّٰہُ البَیعَ وَ

حَرَّمَ الرِّبٰوا کے الفاظ میں، بالکل صاف، واضح اور مُسکت جواب نہیں دے دیا کہ بیع حَرَّمَ الرِّبٰوا کی شرط کے ساتھ حلال ہے؟ یعنی بیع میں ربٰوا، بڑھوتری، منافع وغیرہ قطعًا نہیں ہو سکتا۔ صحیح، خالص، پاک اور بے عیب بیع صرف وہی ہو سکتی ہے جو ربٰوا کی میل کچیل سے پاک ہو۔ ہاں خرید و فروخت میں مال، اسباب اور اشیاء بنانے، لانے، لے جانے، مہیا کرنے وغیرہ کی جو محنت ہے اس کے مطابق قیمت خرید پر اضافہ ہو سکتا ہے۔ یا اشیاء کی صحیح مالیّت معلوم نہ ہو سکنے کی وجہ سے ان کی قیمتوں میں جو کمی بیشی ہو سکتی ہے وہ برداشت ہو سکتی ہے جو کہ بالکل جدا بات ہے۔

۱۸۔ دراصل مسئلہ ربٰوا (سود) میں الجھن ہی بٹائی، کرائے اور منافع وغیرہ ہیں۔ اگر یہ جائز رہیں گے تو مسئلہ ربٰوا کبھی حل نہیں ہو سکے گا۔ اور نہ ہی کسی قسم کے ربٰوا کو ختم کیا جا سکے گا۔ بٹائی، کرائے، منافع، انعام وغیرہ سب ایک ہی روح کے مختلف قالب ہیں۔ اگر یہ زندہ رہیں گے تو سارے کے سارے اور اگر مریں گے تو سب کے سب۔ ان میں سے آپ کسی ایک کو بھی نہ علیحدہ طور پر مار سکتے ہیں اور نہ زندہ رکھ سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی زندگی سب کی زندگی اور ایک کی موت سب کی موت ہے کیونکہ ان سب میں ایک ہی روح ہے۔ یہ اسلام کے دشمن اور اسلام ان کا دشمن ہے۔ ان کی بادشاہی میں اسلام نہیں رہ سکتا اور اسلام کی سلطنت میں ان کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیا قرآن حکیم کا صاف ارشاد نہیں (ترجمہ) اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقوی کرو اور جو کچھ ربٰوا (سود) سے باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو۔ اگر تم مومن ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے خبردار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھارے لئے تمھارے اصل مال ہیں۔

۱۹۔ سود یا منافع بینکوں یا مارکیٹوں میں پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی وہاں سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ وہاں تو اس کی صرف خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اس کی پیدائش کا اصل مقام کھیت اور کارخانہ ہے۔ اور اس کی پیدائش کی وجہ یہ ہے کہ ایک طبقہ کھیتوں اور کارخانوں کا مالک ہے اور دوسرا طبقہ نادار اور حاجت مند ہے۔ مالک طبقہ نادار طبقہ کو اپنے کھیتوں اور کارخانوں میں کام مہیا کر کے ان سے اپنے کھیتوں اور کارخانوں کے استعمال کا معاوضہ لے لیتا ہے۔ یہی دراصل ربٰوا، سود یا منافع ہے جس کی مارکیٹوں اور بینکوں میں فروخت ہوتی ہے۔ قرض پر دیا ہوا روپیہ بھی کھیتوں اور کارخانوں میں ہی منتقل ہو کر سود پیدا کرتا ہے۔

۲۰۔ اگر آپ سود کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اللہ اور رسول کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر کے ملت کے ہر فرد

کو ذرائع پیداوار مہیا کرنے کی فکر کیجئے۔ ربوا (سود) چھوڑنے اور باضابطہ نظام زکوٰۃ قائم کرنے سے یہ کام آسانی سے ہو سکے گا۔ زکوٰۃ کا یہ مطلب نہیں کہ ناداروں اور حاجت مندوں کو کھانا، کپڑا یا کچھ نقدی دے کر روانہ کر دیا جائے۔ زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ سے قومی کارخانے تعمیر کئے جائیں۔ اور ان کو امداد باہمی کے طریق پر چلایا جائے۔ اور ادھر سود کو ختم کرنے کے لئے خود کاشت کی حد تک زمینوں کی ملکیت محدود کر کے زراعت کو بھی کوآپریٹو بنیاد پر قائم کیا جائے۔ ساتھ ساتھ تجارت کو بھی امداد باہمی کے طریق پر رائج کرنے سے سود کا مسئلہ بالکل حل ہو جائے گا۔ نظام زکوٰۃ شروع کرنے کے لئے پہلے اس روپے پر زکوٰۃ عائد کی جائے جو سود پر چڑھا ہوا ہے۔ اس طرح مالکان سرمایہ کو زکوٰۃ کا بوجھ بھی محسوس نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی کمی کو سود پورا کر دیگا۔

سود کو ختم کرنے اور نظام زکوٰۃ کو باضابطہ قائم کرنے سے ملت کے ہر فرد کو ذرائع پیداوار مہیا ہونے کی ضمانت مل جائے گی۔ معاشی جرائم اور برائیوں کا خاتمہ ہوگا۔ رزق میں فراوانی ہوگی۔ ہر ایک آدمی کو اس کی محنت کا پورا پورا معاوضہ ملے گا۔ اور معاشی فکر و غم سے نجات حاصل ہوگی جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

مروجہ نظام معاش سراسر ربوا (سودی اصول) پر مبنی ہے۔ پاکستان کو اگر صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بنانا ہو تو سودی نظام کو ختم اور نظام زکوٰۃ کو کما حقہٗ رائج کرنا لازمی ہے ورنہ مغربی تہذیب و تمدن کا چھا جانا یقینی ہے۔

(چودھری) محمد اسماعیل
خادم ادارہ معیشت اسلامی
آئی/۷۶۹ مری روڈ۔ راولپنڈی شہر